OPEN ACCESS
Al-Azvā الاضواء
ISSN 2415-0444 ;E 1995-7904
Volume 37, Issue, 58, 2022
www.aladwajournal.com

غیر مسلموں کی تکفیر: مولانا وحید الدین خانؒ کا اصولی موقف

Takfir of Non-Muslims: Principal Stance of Maulana Waheed ud Din Khan

Muhammad Irfan (corresponding author)
Ph.D Scholar, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore

Ihsan-ur-Rahman Ghori, Associate Professor,
Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore

Abstract

KEYWORDS

Maulana Wahid-Ud-din Khan; Islamic tradition; Takfir; Non-Muslims.

Maulana Wahid-Ud-din Khan was an eminent thinker and multifaceted scholar of the 20th century. He has touched upon almost every aspect of Islamic theology, multiculturalism, and social, political and economic values. His Scientific and intellectual work is highly commendable. In this article, the authors have analysed Maulana's principal stance on Takfir of Non-Muslims. The principle position of traditional Ulma is that if all signs of Kufr are found in a person, his Kufr will be declared, while Maulana is not convinced for Takfir of non-Muslims. He says it is necessary to establish a prophetic Dawah which is impossible. He imposes two conditions for Takfir of non-Muslims, first to establish a prophetic Dawah and secondly to know the intention of the addressee. These two conditions cannot be fulfilled in today's era, so Takfir is also not permissible.

Date of Publication:
30-12-2022

CC BY

کفر کا معنیٰ و مفہوم:

ہر مذہب اپنے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کو کسی نام سے مخاطب کرتا ہے۔ اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اپنے مذہب کے ماننے والے کو مہذب نام سے پکارا جائے اور غیر مذہب کو اہانت آمیز القابات دیئے جائیں جیسے ہندو مذہب میں غیر ہندو کو ملیچھ یعنی ناپاک کہا جاتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ اپنے ہم مذہب اور غیر مذہب دونوں کو مہذب القابات سے پکارا جائے۔ اکثر الہامی مذاہب میں یہی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کے پیروکاروں کو یہودی اور حضرت عیسیٰؑ کے پیرو کاروں کو عیسائی کہا گیا ہے اور ان دونوں نبیوں پر ایمان نہ لانے والوں کے لئے اس دور میں کافر کا لفظ استعمال کیا گیا جس کا مطلب تھا انکار کرنے والا۔

یہی تعبیر پیغمبر آخر الزمان ﷺ اور قرآن مجید نے استعمال کی کہ جو لوگ قرآن پر ایمان لائے انہیں مومن یا مسلم کہا گیا اور جنہوں نے اسے جھٹلایا ان کے لئے کافر کی تعبیر اختیار کی گئی۔ اور یہ تعبیر مختلف صیغوں میں بارہا استعمال کی گئی ہے۔

کفر کا لغوی معنیٰ کسی چیز کو ڈھانپنا اور چھپانا ہوتا ہے، عربی میں کسان کو بھی کافر کہہ دیا جاتا ہے کیوں کہ وہ بیج کو زمین میں چھپاتا ہے۔ کفر کا ایک معنیٰ کسی چیز کو جاننے کے بعد اُس کا انکار کرنا، اسے نہ ماننا اور اُس کو رَد کرنا بھی آتا ہے۔[1] ارشاد باری ہے:

فَلَمَّا جَآءَهُم مَّاعَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكَافِرِينَ [2]

"اور جب اُن لوگوں کے پاس وہ کچھ آیا جس کے بارے میں وہ جانتے تھے تو اُنہوں نے اُس کا اِنکار کیا لہٰذا کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔"

کفر کا ایک معنیٰ کسی معاملے یا کسی شخص سے برأت کا اظہار یا بری الذمہ ہونے کا دعویٰ بھی ہے، ارشاد باری ہے:

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَالَكُمْ مِّن نَّاصِرِينَ [3]

"پھر قیامت کے دِن تُم ایک دُوسرے کا اِنکار کرو گے اور ایک دُوسرے پر لعنت کرو گے اور تم سب کا ہی ٹھکانا جہنم ہے اور تمہارا کوئی مدد گار نہ ہو گا۔"

اسلامی اصطلاح میں ہر وہ قول اور فعل جو اِیمان کے خلاف ہو کُفر کہلاتا ہے، یعنی اِنسان کا ایسے قول یا فعل پر اِیمان نہ لانا جس قول یا فعل پر اللہ تعالیٰ نے اِیمان لانے کا حکم دِیا ہے۔ ایمان اور کفر میں تباین کی نسبت ہے کہ جہاں ایمان ہو گا وہاں کفر نہیں ہو گا اور جہاں کفر ہو گا وہاں ایمان نہیں ہو گا۔

کسی زبان میں لفظ کا جو حقیقی معنی ہوتا ہے وہ مختلف مناسبتوں کی وجہ سے نئے قالب میں ڈھلتا رہتا ہے، مثلاً ناشکری بھی انکار کے معنٰی کو متضمن ہوتی ہے اس لیے ناشکری کو بھی کفر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ خدا اور اس کی طرف سے مقرر کردہ طریقے کو نہیں مانتے ان کے لئے بھی کفر کا لفظ استعمال کیا گیا۔ قرآن میں یہ لفظ اکثر اسی معنٰی میں استعمال ہوا ہے، علماء یہود کو کہا گیا:

ولاتکونوا اول کافربہ[4]

"تم اس کا انکار کرنے والے پہلے لوگ نہ بنو۔"

حج کو فرض قرار دیتے ہوئے فرمایا جو اس کو نا مانے تو اللہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں:

ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین [5]

"جس نے اس کا انکار کیا تو اللہ کو اس کی کوئی پروا نہیں"

مشرکین مکہ آخرت کا انکار کرتے تھے ان کے بارے کہا گیا:

وھم بالآخرہ ھم کافرون [6] "وہ لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں۔"

قرآن نے اپنے نہ ماننے والوں کو جو کافر کہا ہے وہ اس معنٰی میں کہا ہے کہ یہ لوگ قرآن کا انکار کرتے ہیں۔ اس میں نہ کوئی خلاف واقعہ بات ہے نہ کسی کی اہانت ہے بلکہ یہ تو ان کی حالت کو بیان کرنے کے لئے ایک مہذب تعبیر اختیار کی گئی ہے۔

اس لئے جو لوگ لفظ کافر کے استعمال پر اعتراضات کرتے ہیں انہیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ یہ محض ایک تعبیر ہے نہ کہ نفرت وعداوت کا اظہار۔ اور بالفرض اگر یہ تعبیر قابل اعتراض ہوتی تو اہل عرب جو زبان شناس تھے اور انہیں اپنی زبان دانی پر فخر بھی تھا وہ اس لفظ اور تعبیر پر اعتراض کرتے مگر ان کی طرف سے ایسا کوئی رد عمل سامنے نہیں آیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے جو کافر کی اصطلاح استعمال کی ہے وہ بجا ہے۔ اس میں نہ کوئی خلاف واقع بات ہے، نہ کسی کی توہین ہے اور نہ ہی اس میں کسی قسم کا کوئی شدت پسندی کا عنصر پایا جاتا ہے۔

تکفیر اور روایتی مذہبی فکر

غیر مسلموں کی تکفیر کے متعلق روایتی مذہبی فکر کا اصولی مؤقف یہ ہے کہ اگر کسی فرد میں کفر اکبر کی تمام علامات پائی جاتی ہیں تو علماء کے منصب کا بنیادی تقاضا ہے کہ اس کے کفر کا اعلان کیا جائے۔ عوام الناس کو اس کے کفر سے باخبر کیا جائے تاکہ ارتکاب کفر کی صورت میں متعلقہ فرد یا اس کے متعلقین پر جو احکام لاگو ہوتے ہیں انہیں واضح کیا جاسکے۔

کسی کی تکفیر یا کسی کو کافر، ملحد اور مرتد وغیرہ قرار دینا کوئی توہین نہیں اور نہ ہی یہ القاب کسی پر زبردستی تھونپے جاتے ہیں بلکہ یہ شرعی احکام ہیں اور کسی فرد یا جماعت کے عقائد کی بنیاد پر متعین کئے جاتے ہیں۔ اس لئے ان کو انتہا

پسندی یا سب وشتم قرار دینا جہالت اور بذات خود انتہا پسندی ہے۔[7] علماء جب کسی فرد یا جماعت کی تکفیر کرتے ہیں تو وہ کسی کو زبردستی کافر نہیں بنا رہے ہوتے بلکہ کافر وہ انسان خود اپنے عقائد و افعال کی وجہ سے ہوتا ہے علماء محض اس کی نشاندہی اور اعلان کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں سورۃ الکھف میں دو آدمیوں کی مثال دی گئی ہے جن میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ نے انگور کے دو باغات عطا فرمائے، اس نے اپنے دوست سے کہا کہ میں تجھ سے مال میں زیادہ کثرت رکھتا ہوں اور افرادی قوت میں غالب ہوں۔ اس نے اپنے باغ میں تکبر سے داخل ہوتے ہوئے اپنی جان پر ظلم کیا اور کہا کہ میں یہ گمان ہی نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہوگا۔ میرا گمان ہے کہ نہ ہی قیامت قائم ہوگی اور اگر بالفرض مجھے اپنے رب کی بارگاہ میں پیش کر بھی دیا گیا تو میں ضرور اس دنیا سے زیادہ وہاں خیر حاصل کروں گا۔ اس کے دوست نے اس سے تبادلہ خیال کرتے ہوئے جواب میں کہا:

> قال له صاحبه و هو يحاوره اكفرت بالذى خلقك من تراب ثم من نطفة ثم سواك رجلا لكنا هو الله ربى و لا اشرك بربى احدا [8]

> "اس کے دوست نے مکالمہ کرتے ہوئے کہا کیا تم اس ذات کو جھٹلاتے ہو جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا پھر تجھے نطفہ بنایا پھر تجھے معتدل وجود والا انسان بنا دیا، نہیں بلکہ وہی میرا رب ہے اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔"

اس آیت میں مذکور مکالمہ نہ کسی نبی کا بیان ہے نہ اس میں دعوت کی کوئی بات ہو رہی ہے بلکہ ایک شخص کے کفریہ عقائد کی وجہ سے ایک صاحب ایمان نے مکالمہ کے دوران اس کی تکفیر کی ہے۔ اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ کسی کے کفریہ عقائد کی وجہ سے اس کی تکفیر کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس پر نبی کی دعوت کی صورت میں اتمام حجت ہو چکا ہو۔

قرآن کے مطابق کسی کافر کے کفر کے اثبات کے لیے، بذات خود کافر کا اپنے عقائد کو کفر و شرک سمجھنا یا نہ سمجھنا ضروری نہیں بلکہ محض کفر کا پایا جانا ہی اس کے کافر ہونے کے لیے کافی ہے۔ بعض افعال کفر کی بحث میں زبانی انکار کے قائم مقام ہوتے ہیں جیسے بتوں کی عبادت کرنا وغیرہ۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے اور خدا کا اکلوتا بیٹا ہونے پر یقین رکھتے ہیں اس کے باوجود وہ اپنے مشرک ہونے کا اقرار نہیں کرتے۔[9] اس اقرار نہ کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> لقد كفر الذين قالواان الله هو المسيح ابن مريم و قال المسيح يا بنى اسرائيل اعبدوا الله ربى و ربكم انه من يشرك بالله فقد حرم الله عليه الجنة و ماواه النار و ما للظالمين من انصار[10]

"البتہ کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا مسیح ابن مریم اللہ کے بیٹے ہیں، اور مسیح بذات خود کہتے ہیں کہ اے بنی اسرائیل میرے اور اپنے رب کی عبادت کرو، بے شک جس نے کفر کیا اللہ نے جنت اس پر حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہاں ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔"

اسی طرح یہ بات محاورہ قرآنی اور لغوی دونوں اعتبار سے غلط ہے کہ سرق کے اسم فاعل کو سارق، زنی کے اسم فاعل کو زانی، نکح کے اسم فاعل کو ناکح، اسلم کے اسم فاعل کو مسلم، امن کے اسم فاعل کو مؤمن نہ کہا جائے۔ ان اسماء کا مشتق ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ فاعل سے ان افعال کا صدور ہوا ہے۔ اسی طرح کفر کا اسم فاعل کافر اور اشرک کا اسم فاعل مشرک ہی ہوگا۔

قرآن مجید میں کسی کے کفر کے مرتکب ہونے کو مختلف اسماء و افعال کی صورت میں بیان کیا گیا ہے، صرف کلمہ کذب کو ہی دیکھا جائے تو یہ مختلف طریقوں سے استعمال ہوا ہے۔ مثلا

كذبوا باياتنا، تكذبون بالدين، كذب بالحسنى، فكذبوه فاخذتهم الرجفة، كذب بالحق، هم الكاذبون، من يكذب بهذا الحديث۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں ہی مسیلمہ اور اسود عنسی کو کذاب کہا اور قیامت تک آنے والے تمام جھوٹے مدعیان نبوت کو کذاب و دجال کہا۔

قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے کسی کے کفر کو واضح کرنے اور تکفیر کے لیے کلمہ کفر کے مختلف صیغوں اور صورتوں کو استعمال فرمایا ہے، مثلا قالوا كلمة الكفر، استحبوا الكفر، اشتروا الكفر۔

حدیث شریف میں بھی ہے کہ قرب قیامت دابۃ الارض کے خروج کے بعد مسلمان کافروں کو "یا کافر" کہہ کر پکاریں گے۔ ترمذی کی روایت ہے:

تخرج الدابة معها خاتم سليمان و عصا موسى فتجلو وجه المؤمن و تختم انف الكافر بالخاتم حتىٰ ان اهل الخوان ليجتمعون فيقول هذا يا مؤمن و يقول هذا يا كافر[11]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دابہ نکلے گا تو اس کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہوگا۔ وہ مومن کے چہرے کو روشن کر دے گا اور کافر کی ناک پر انگوٹھی سے مہر لگا دے گا یہاں تک کہ جب دستر خوان پر لوگ جمع ہوں گے تو وہ کہیں گے اے مومن! اور یہ کہیں گے اے کافر!۔"

یہ حدیث بھی روایتی مذہبی فکر کا اہم مستدل ہے۔ اس لیے کسی فرد یا گروہ کی تکفیر کرنا جائز ہے جبکہ تکفیر کے اس عمل کی بنیاد ثقہ علماء کی اجماعی آراء پر مبنی ہو، نیز یہ کہ کسی مسلم کو کافر قرار دینا اور کافر کی تکفیر کو ناجائز قرار دینا دونوں ہی غیر معتدل رویے ہیں۔

غیر مسلموں کی تکفیر کے حوالے سے ایک اہم بحث اتمام حجت کی ہے۔ روایتی مذہبی فکر کے نزدیک غیر مسلموں کی تکفیر کے لیے محض ابلاغ کا پایا جانا لازم ہے۔ اگر ابلاغ ہو چکا اور مخاطب اس کے باوجود اپنی سابقہ روش پر قائم ہے تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔ کیونکہ اب دین اسلام مکمل ہو چکا ہے، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نبوت ورسالت جامع ،کامل، آفاقی، ابدی اور خاتم ہے۔ آپؐ کی نبوت ورسالت کو کسی خاص زمانے تک یا محض کسی خاص گروہ کو ہی براہ راست مخاطب قرار دے کر قرآن کے احکامات کو زمان ومکان وگروہوں کیساتھ مختص نہیں کیا جا سکتا۔ آج بھی اگر کسی تک محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تعلیمات پہنچ جائیں اور وہ ان پر ایمان نہ لائے تو وہ اپنے کفر وشرک کا اقرار کرے یا نہ کرے وہ کافر ہی قرار پائے گا۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تعلیمات پہنچنے کی صورت میں اس پر اتمام حجت ہو چکا۔

تکفیر اور جدید مواقف

غیر مسلموں کی تکفیر کے متعلق جدید مواقف میں اتمام حجت کے اعتراف کے ساتھ اس بات پر اختلاف ہے کہ بذات خود اتمام حجت کیا ہے۔ اس بارے میں جدید مواقف میں دو آراء ہیں۔

ایک رائے یہ ہے کہ مخاطب تک دین کی بات کا اِبلاغ کر دینا یہی اصل اتمام حجت ہے۔ اگر مخاطب اُس بات کا انکار کرے تو اُس کے اِس ظاہری انکار کی بنیاد پر بلاتردد اُس کی تکفیر کی جائے گی۔

اس مؤقف کے قائلین کا مستدل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر ہدایت کا مادہ ودیعت کر رکھا ہے، جیسا کہ سورۃ شمس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فالهمها فجورها وتقواها۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے خارج کے اندر بھی فطرت کی صورت میں ہدایت کا اہتمام کر رکھا ہے۔ ان تمام انتظامات کی موجودگی میں محض ابلاغ کافی ہے اور یہی اتمام حجت ہے۔

دوسرا مؤقف یہ ہے کہ محض ابلاغ کافی نہیں بلکہ "وضاحت" کے ساتھ ابلاغ کا پایا جانا ضروری ہے بایں طور کہ کفر کا ارتکاب کرنے والے کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہے۔ وضاحت کے ساتھ ابلاغ اس لیے لازم ہے کہ ممکن ہے اُس شخص میں ہدایت کو اخذ کرنے کی صلاحیتیں بالکل معدوم ہوں یا اُن میں کوئی واقعی خلل پایا جاتا ہو یا اُس کے ماحول میں وہ تحریک ہی موجود نہ ہو کہ ہدایت اُس کے علم وشعور تک رسائی پا سکے۔

اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دل وجان سے ہدایت کو پانے کی جستجو کرے مگر اس میں کسی سنگین غلطی کا ارتکاب کرے، حتیٰ کہ صریح کفر کا اظہار اور اُس کا اقرار کر بیٹھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ حق بات کو جان تو لے مگر کسی جبر یا مانع ہو جانے کی وجہ سے اُس کا انکار کر دے۔ اب ظاہر ہے کہ اس طرح کی تمام صورتوں میں وہ عدم استطاعت، خطا اور جبر واکراہ کی وجہ سے جواب دہ ہی نہیں رہ جاتا چہ جائیکہ اُس کی تکفیر کی جائے۔

تکفیر اور مولانا وحید الدین خانؒ

مولانا وحید الدین خانؒ کی فکری زندگی مختلف ادوار میں تقسیم رہی۔ فکری زندگی کے آغاز میں وہ جماعت

اسلامی سے منسلک رہے، وہاں سے تبلیغی جماعت میں آئے، الجمعیہ کی ادارت کی اور آخر میں اپنی تمام تر صلاحیتیں اور توانائیاں دعوتی مقاصد کے لیے صرف کر دیں۔ دعوت کے میدان میں سرگرم ہونے کے بعد انہوں نے ساری زندگی یہی کام کیا۔

ان کی دعوۃ آئیڈیالوجی اور دعوتی جدوجہد کا انداز یہ رہا کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے صرف مکی اسوہ حسنہ کو سامنے رکھ کر جدوجہد کا آغاز کیا، ان کی ساری دعوتی جدوجہد کی بنیاد مکی اسوہ حسنہ ہے۔ حالانکہ نبی اکرم ﷺ کی زندگی کا مکی عہد ایک عبوری عہد تھا جس میں آپ ﷺ نے تمام اذیتوں اور مصیبتوں کو نظر انداز کر کے اپنی تمام تر توانائیاں دعوتی مقاصد کے لیے وقف کیے رکھیں۔

بعد میں جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منتقل ہوئے تو آپ ﷺ کی حکمت عملی تبدیل ہو گئی اور آپ نے دعوت کے ساتھ اسلامی ریاست کے قیام اور دعوت میں رکاوٹ ڈالنے والے عناصر سے جہاد بھی کیا۔ مولانا وحید الدین خانؒ نبی اکرم ﷺ کے صرف مکی اسوہءحسنہ کو مد نظر رکھ کر اپنے مشن کی منصوبہ بندی کرتے ہیں اور آپ ﷺ کی زندگی کے مدنی عہد کو سراسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

مولانا وحید الدین خانؒ کسی فرد یا گروہ کی تکفیر کے قائل نہیں تھے۔ ان کے نزدیک کافر کی اصطلاح ہی غلط ہے، کافر کا معنیٰ انکار کرنے والا ہے اور انکار تب متحقق ہو گا جب دعوت کو مکمل طور پر مخاطب تک پہنچا دیا جائے بایں طور کہ مخاطب پر اتمام حجت ہو جائے۔ جبکہ مولانا کے مطابق امت مسلمہ ابھی تک دعوتی فریضہ سے غافل ہے اور اس نے دعوت کے پیغام کو جاری ہی نہیں کیا۔ مولانا کہتے ہیں اتمام حجت صرف نبی کے دور میں ہی ممکن تھی بعد کے ادوار میں ہم محض کوشش کر سکتے ہیں۔ لہذا جب اتمام حجت نہیں پائی جاتی تو کسی کی تکفیر بھی نہیں کی جا سکتی۔

مولانا وحید الدین خانؒ کے مطابق دعوتی محنت کا معیاری نمونہ پیغمبر اسلام کی زندگی کا 13 سالہ مکہ دور ہے۔ پیغمبر اسلام نے جب مکہ کے لوگوں میں دعوتی کام کا آغاز کیا تو آپ کے خطاب کے الفاظ یہ تھے: یا ایھا الانسان، اس طرح 13 سال لوگوں کو بحیثیت انسان خطاب کرنے کے بعد جب لوگ جان بوجھ کر انکار پر قائم رہے تو آخر میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی: قل یا ایھا الکافرون۔ اس وقت بھی یہ ایک براہ راست خدائی اعلان تھا نہ کہ خود پیغمبر کا اپنا خطاب۔ گویا نبی بھی اپنی مرضی سے کسی کی تکفیر نہیں کر سکتا۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکافرون میں غیر مسلموں کو کافر کہہ کر مخاطب فرمایا ہے، سورہ الکافرون کی تفسیر کے ضمن میں مولانا وحید الدین خان لکھتے ہیں:

> رسول اللہ ﷺ ابتدا میں ایک عرصے تک "اے میری قوم" کے لفظ سے لوگوں کو پکارتے رہے۔
> مگر جب اتمام حجت کے باوجود انہوں نے نہ مانا تو آپ نے یا ایھا الکافرون کے لفظ سے خطاب فرمایا۔
> اس مرحلہ میں یہ فقرہ دراصل کلمہ برائت تھا نہ کہ کلمہ دعوت۔ میرے لیے میرا دین اور تمہارے

لیے تمہارا دین یہ دوسروں کے دین کی تصدیق نہیں بلکہ ایک طرف اپنے حق پر جمے رہنے کا آخری اظہار تھا اور دوسری طرف مخاطب کی اس حالت کا اعلان ہے کہ تم اب ضد کی اس آخری حد پر آ گئے ہو جہاں سے کوئی شخص کبھی نہیں پلٹتا۔[12]

اتمام حجت کے علاوہ مولانا کا ایک اہم استدلال یہ ہے کہ کفر کے فعل کا تعلق نیت سے ہے اور نیت کا علم محض اللہ تعالیٰ کو ہے اس لیے بحیثیت مسلم ہم کسی کی تکفیر نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہمیں کسی کو کافر کہنے کی بجائے غیر مسلم کہہ کر مخاطب کرنا چاہیئے۔

کسی فرد یا مجموعہ افراد کے بارے میں متعین طور پر یہ اعلان کرنا کہ وہ کافر ہو چکے ہیں عام لوگوں کے لیے جائز نہیں۔ کفر کے فعل کا تعلق حقیقتاً نیت سے ہے اور نیت کا حال صرف اللہ کو معلوم ہے۔ اس لیے متعین اور مشخص طور پر کسی کے بارے میں یہ اعلان کرنا کہ وہ کافر ہو گیا ہے خالصتاً اللہ کا کام ہے یا اللہ کے دیے ہوئے علم کی بنا پر پیغمبر کا کام۔ چناچہ قرآن میں صرف ایک ایسا حوالہ ہے جہاں قدیم زمانہ کے کچھ لوگوں کو متعین طور پر کافر قرار دے کر کہا گیا کہ: قل یا ایھا الکافرون۔ اس انداز کا مشخص خطاب قرآن میں کسی بھی دوسرے گروہ کے لیے نہیں آیا ہے۔ یعنی قرآن میں اس ایک استثنا کو چھوڑ کر فعل کفر کا ذکر تو ہے مگر مشخص طور پر کسی کو فاعل کفر کا درجہ نہیں دیا گیا۔[13]

مولانا وحید الدین خانؒ کا اصرار ہے کہ ہمیں کسی کو کافر کہنے یا کافر کا لقب دینے کی بجائے اسے مدعو کے لفظ سے پکارنا چاہیئے۔ من حیث المسلم ہمارا اصل کام غیر مسلموں کو دعوت دینا ہے نا کہ ان کے عقائد و اعمال کی بنا پر ان کو کافر قرار دینا۔ دعوت الی اللہ کے کام کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان دیگر اقوام کو انسان کی نظر سے دیکھیں نہ کہ غیر مسلم یا کافر کی نظر سے۔[14]

اگرچہ تاریخ میں مسلمان اور کافر کی اصطلاح وضع کی گئی ہے مگر یہ درست نہیں۔ کافر یا منکر کا لفظ بیک وقت دو کرداروں سے تعلق رکھتا ہے، ایک وہ جس نے کوئی بات پیش کی ہو اور دوسرا وہ جس نے اس پیش کی ہوئی بات کا انکار کیا ہو۔ ان میں سے ایک کردار کو داعی اور دوسرے کو مدعو کہتے ہیں۔

مولانا وحید الدین خانؒ کے نزدیک کافر ایک کردار ہے، کافر کسی گروہ کا قومی لقب نہیں۔ کسی گروہ کو کافر قرار دینا کوئی آسان کام نہیں۔ کسی کو کافر قرار دینے کا مطلب ہے کہ کسی کو انکار کی بناء پر ڈس کریڈٹ کرنا اور دوسرے کو اس کے دعوتی عمل کی بناء پر کریڈٹ دینا ہے۔ کریڈٹ اور ڈس کریڈٹ کا یہ معاملہ فتویٰ یا بیان کے ذریعے نہیں ہوتا۔ یہ ایک نہایت سنجیدہ دعوتی محنت کا طالب ہے۔[15]

مولانا وحید الدین خانؒ کا ماننا یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا بنیادی مقصد انسانوں کو اللہ کی طرف بلانا تھا، ہر پیغمبر اسی مشن کے ساتھ دنیا میں مبعوث کیا جاتا ہے۔ امت محمدیہ چونکہ آخری امت ہے اور اس کے ذمہ دعوت کے کام کو لازم کیا گیا ہے اس لیے انہیں بھی نبی اکرم ﷺ کے مکہ اسوہ حسنہ کو سامنے رکھ کر محض دعوتی سرگرمیوں کو اپنانے کی ضرورت ہے۔

ان کا اصرار تھا کہ امت مسلمہ کا ہر فرد داعی اور پوری دنیا کے غیر مسلم مدعو کی حیثیت رکھتے ہیں، ہمارے تھنکنگ پروسس کی بنیاد داعی اور مدعو کی اصطلاحات ہونی چاہئیں۔ ہماری فکر کی تشکیل بھی انہی اصطلاحات کے تحت ہونی چاہئے اور ہماری زندگی کے مقصد کا تعین بھی یہی اصطلاحات کریں گے۔ ان کا مؤقف ہے کہ ہمیں کافر کی اصطلاح ہی استعمال نہیں کرنی چاہئے بلکہ اس کے لیے غیر مسلم کی اصطلاح استعمال کی جائے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

"کفر کے لفظی معنٰی انکار کرنے کے ہوتے ہیں اور کافر کا مطلب ہے انکار کرنے والا۔ یہ دونوں لفظ قرآن میں پیغمبر کی نسبت بولے گئے ہیں، وہ عام لوگوں کی نسبت نہیں بولے گئے۔ مزید یہ کہ کافر ایک شخصی کردار ہے۔ وہ کسی گروہ کا نسلی یا وراثتی نام نہیں۔ کفر یا انکار کا تحقق کسی کے بارہ میں اس وقت ہوتا ہے جبکہ اس کے اوپر پیغمبرانہ قسم کی دعوت جاری کی جائے اور اس کو تکمیل کی حد تک پہنچایا جائے جس کو اتمام حجت کہا جاتا ہے۔ اس طرح کی پیغمبرانہ دعوت کے بغیر کسی کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں کہ اس نے کفر یا انکار کا فعل کیا۔" [16]

مولانا کا مؤقف تھا کہ ہندوستان کے ہندو یا دوسرے ملکوں کے غیر مسلموں کی حیثیت اسلامی نقطہ نظر سے صرف انسان کی ہے۔ ان میں سے کسی کو بھی کافر یا کفار نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ہندوؤں اور موجودہ زمانہ کے دوسرے غیر مسلموں پر یہ ضروری شرط پوری نہیں ہوئی کہ انہیں مکی معیار کی 13 سالہ دعوت دی جائے اور وہ پھر بھی انکار کریں۔

ہم کسی کی تکفیر کی بجائے دعوت کے مکلف ہیں۔ ہمیں کسی کی تکفیر یا دل آزاری کی بجائے تالیف قلب کے اصول کو اپنانا چاہئے۔ تالیف قلب آداب دعوت کا ایک عام اصول ہے، قرآن و سنت میں اس کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نرم زبان میں کلام کرنا، پیغمبروں کا اپنی مخاطب قوم سے یہ کہنا کہ ہم تمہاری ایذاؤں پر صبر کریں گے وغیرہ۔[17]

اسوہ رسول ﷺ میں بھی ہمیں تالیف قلب کا اصول دکھائی دیتا ہے، مثلاً جب رسول اللہ ﷺ کو نبوت ملی تو آپ ﷺ نے بنو ہاشم کے لوگوں کو اپنے گھر پر بلایا تاکہ انہیں توحید کا پیغام دیں۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے پہلے ان کی تواضع کی اور انھیں دودھ پلایا۔ جب وہ اس سے فارغ ہوگئے تو اس کے بعد آپ ﷺ نے انہیں نبوت کا پیغام دیا۔

اس لیے مولانا وحید الدین خانؒ کا اصرار تھا کہ ہمیں کسی کی تکفیر کی بجائے دعوت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ ہمیں غیر مسلموں سے دشمنی اور عداوت کی بجائے تالیف قلب کے اصول کی بنیاد پر انہیں اپنا مدعو بنانا چاہئے۔ لکھتے ہیں:

"مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان جو نزاعات ہیں وہ سراسر قومی اور مادی ہیں۔ یہ تمام تر اسی طرح کے دنیاوی جھگڑے ہیں جو خود غیر مسلم گروہوں میں ایک دوسرے کے خلاف پیش آتے ہیں۔ ان نزاعات کو کافر اور مسلم کے درمیان دینی نزاع نہیں کہا جائے گا بلکہ اس کو دو گروہوں کے درمیان دنیوی نزاع کہا جائے گا۔ ان قوموں پر اتمام حجت کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ مسلمان ان سے دنیوی جھگڑوں کو یک طرفہ طور پر ختم کر دیں"[18]۔

مولانا وحید الدین خانؒ کے نزدیک یہ تصور بھی غلط ہے کہ جو مسلمان نہیں وہ لازماً کافر ہے۔ جیسا کہ روایتی مذہبی فکر کا مؤقف ہے کہ ایمان اور کفر میں تباین کی نسبت ہے، جہاں ایمان ہو گا وہاں کفر نہیں ہو سکتا اور جہاں کفر ہو گا وہاں ایمان نہیں ہو سکتا۔ مولانا وحید الدین خان کے نزدیک یہ تعبیر بھی درست نہیں، کا اصرار تھا کہ:

"اکثر مسلمان جو یہ سمجھتے ہیں کہ جو مسلمان نہیں وہ کافر ہے، یہ تصور بالکل غلط ہے، ابتدائی طور پر مسلمان اور غیر مسلم دونوں انسان ہیں۔ کسی کے اسلام کا انحصار پیدائش سے نہیں ہوتا بلکہ معرفت حق سے ہوتا ہے، معرفت حق سے پہلے آدمی صرف انسان ہوتا ہے، معرفت کے بعد جب وہ کامل شعور کے ساتھ کلمہ کی گواہی دیتا ہے تب وہ مومن اور مسلم بنتا ہے"[19]۔

مولانا وحید الدین خانؒ کا مؤقف تھا کہ ہمارا کام کسی کے کفر کا تعین کرنا نہیں بلکہ صرف دعوت ہے اور دعوت الی اللہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے خیر خواہی کا ایک عمل ہے۔ یہ انسانیت کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ ہے جو ایک مومن کو مجبور کرتا ہے کہ وہ جس جگہ پہنچ گیا ہے وہ دوسرے انسانوں کو بھی اس سائے میں لانے کی کوشش کرے۔ اسی خیر خواہی کی بنا پر مومن یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ اپنی بات اس طرح موثر انداز میں کہے کہ وہ سننے والے کے دل میں اتر جائے۔ یہی جذبہ داعی کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے مخاطب کی زیادتیوں پر یک طرفہ صبر کرے تاکہ پیغام رسانی کا ماحول بگڑنے نہ پائے۔

جس طرح ایک سچا تاجر اپنے گاہک کی آخری حد تک رعایت کرتا ہے تاکہ اس کے ساتھ مستحکم تجارتی تعلقات قائم ہوں اسی طرح داعی کو چاہئے کہ ہر ممکن طریقہ سے اپنے مدعو کی دل جوئی کرے تاکہ وہ اس کے دعوتی پیغام کی طرف پوری طرح راغب ہو۔ دعوت الی اللہ کے کام کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان دیگر اقوام کو انسان کی نظر سے دیکھیں نہ کہ غیر مسلم یا کافر کی نظر سے۔[20]

دار الکفر اور دار الحرب کی اصطلاحات

مولانا وحید الدین خانؒ کے نزدیک کسی کو کافر قرار دینا تو دور کی بات ایسے ممالک جن میں غیر مسلم اور کافر آباد ہیں انہیں دار لکفر یا دار الحرب کہنا بھی جائز نہیں۔ ان کا مؤقف تھا کہ دار الحرب اور دار الفکر جیسی اصطلاحات کوئی قرآنی اور منصوص اصطلاحات نہیں بلکہ یہ عہد رسالت و عہد صحابہ کے بہت بعد میں وضع کی گئی ہیں اور ان کا بھی ایک خاص تناظر اور پس منظر تھا۔ عباسی عہد میں جب نئی فقہ مرتب ہو رہی تھی تب ایک خاص تناظر اور پس منظر میں یہ اصطلاحات وضع کی گئیں، یہ ایک اجتہادی خطا تھی جس سے امت کو رجوع کرنا چاہئے تھا مگر بوجوہ ایسا نہیں ہو سکا۔

> میرے نزدیک دار الحرب کی اصطلاح اجتہادی خطا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہر قسم کے واقعات پیش آئے مگر آپ نے کسی بھی علاقے کو دار الحرب قرار نہیں دیا۔ اگر قرآن و سنت میں اجتہاد کر کے اس سلسلہ میں کوئی اصطلاح بنائی جائے تو وہ صرف ایک ہو گی اور وہ ہے دار الدعوہ۔ یہی اسلامی روح کے مطابق ہے۔ اسلام ہر قوم کو مدعو کی نظر سے دیکھتا ہے خواہ اہل اسلام کا تعلق ان سے امن کا ہو یا حرب کا۔ اس لیے صحیح اسلامی نظریہ کے مطابق صرف دو اصطلاحیں درست ہیں دار الاسلام اور دار الدعوۃ۔ اس کے سوا جو بھی اصطلاحیں بولی گئی ہیں وہ سب میرے نزدیک اجتہادی خطا کا درجہ رکھتی ہیں۔ مثلاً دار الحرب، دار الکفر اور دار الطاغوت وغیرہ۔[21]

مولانا وحید الدین خانؒ کے نزدیک یہ دونوں اصطلاحات ذاتی قیاس کے تحت بنائی گئی ہیں۔ ہونا یہ چاہئے تھا کہ اتنی اہم اصطلاح خالص قرآن کی روشنی میں وضع کی جاتی۔ فقہاء نے جن حالات کی نشاندہی کر کے ان کے تسمیہ کے لیے یہ اصطلاحیں وضع کی ہیں وہ حالات مبینہ طور پر دور نبوی میں بھی موجود تھے مگر رسول اللہ ﷺ نے ان حالات کے لیے ایسی اصطلاحات مقرر نہیں فرمائیں۔ عہد رسالت کے بعد عہد صحابہ میں بھی ایسے حالات رہے مگر تاریخ میں ایسی کسی اصطلاح کا وجود نہیں ملتا۔

ہجرت کے بعد بھی مسلمان اور اہل مکہ ایک دوسرے کے خلاف بر سر پیکار رہے، گویا ہجرت کے بعد مکہ میں عین وہی حالت پیدا ہو گئی جس کے لیے فقہاء نے دار الحرب کی اصطلاح وضع کی مگر جیسا کہ معلوم ہے قرآن و حدیث میں بعد از ہجرت مکہ کے لیے بھی کبھی ایسی اصطلاح استعمال نہیں کی گئی، نہ قرآن میں اعلان کیا گیا کہ مکہ اب دار الحرب ہے ہو چکا ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی مکہ کے لیے دار الحرب کا لفظ استعمال فرمایا۔ مولانا کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جو ملک اسلامی ہو اس کو دار الاسلام اور بقیہ تمام ممالک کو دار الدعوۃ کہا جائے گا۔[22]

مولانا وحید الدین خانؒ کا مؤقف تھا کہ دار الحرب اور دار الاسلام کے یہ الفاظ قرآن اور حدیث میں استعمال نہیں ہوئے۔ قرآن میں پیغمبر اسلام ﷺ کی نسبت سے ارشاد ہوا ہے: **ولتنذر ام القری ومن حولھا۔**[23] اور تاکہ تو ڈرائے ام القری کو اور اس کے آس پاس والوں کو۔

مولانا کے نزدیک قرآن کی اس آیت میں ام القری سے مراد مکہ ہے، جب یہ آیت اتری اس وقت مکہ غیر مسلموں کے قبضہ میں تھا حتی کہ کعبہ کو بتوں کا مرکز بنا دیا گیا تھا۔ مگر اس آیت میں قدیم مکہ کو دار الکفار یا مدینۃ الکفر نہیں کہا گیا بلکہ ام القریٰ کہا گیا اور وہاں انذار بالفاظ دیگر دعوت کا حکم دیا گیا اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ دار الکفر یا بلاد الکفار جیسی اصطلاحات کا استعمال درست نہیں ہے۔

اپنی بات کی آسانی سے تفہیم کے لیے مولانا مثال دیتے ہیں کہ کسی ملک کا حوالہ جب جغرافیائی اعتبار سے دینا ہو تو اس کا ذکر اس نام سے کیا جائے گا جس نام سے وہ عمومی طور پر معروف ہے۔ مثلاً پاکستان کو پاکستان اور سعودی عرب کو سعودی عرب کہا جائے گا۔ لیکن جب اہل اسلام کی ذمہ داری کے اعتبار سے کسی ملک کا حوالہ دینا ہو تو اس کو دار الدعوۃ کہا جائے گا، دار الدعوۃ کا لفظ جغرافیائی تقسیم کو نہیں بتاتا بلکہ وہ اہل اسلام کی دعوتی ذمہ داری کو بتاتا ہے۔

قرآن مجید میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں کو "کافر" کے لفظ سے خطاب فرمایا ہے مثلاً قالوا کلمۃ الکفر، استحبوا الکفر، اشتروا الکفر۔ روایتی مذہبی فکر "کفر" کے اس صیغے سے ڈائریکٹ غیر مسلموں کے کفر پر استدلال کرتے ہیں جبکہ مولانا وحید الدین خانؒ ان تمام مقامات پر ان آیات اور الفاظ کی تاویل کرتے ہیں۔ بایں طور کہ "کفر" کا یہ استعمال عدم تعمیل اور عدم اطاعت کے معنیٰ میں آیا ہے۔ مثلاً سورۃ المائدہ کی ایک آیت جس سے روایتی مذہبی فکر کفر پر استدلال کرتی ہے، مولانا وحید الدین خانؒ اس آیت کے مفہوم میں اس طرح تاویل کرتے ہیں، مثلاً لکھتے ہیں:

> "وہ خدا کی حاکمانہ حیثیت کا انکار کرنے والے ہیں، وہ حق کے تلف کرنے والے ہیں، وہ اطاعت خداوندی کے عہد سے نکل جانے والے، حکم شریعت کو جان بوجھ کر نظر انداز کرنے کے بعد آدمی کی کوئی حیثیت خدا کے یہاں باقی نہیں رہتی"۔[24]

اسی طرح قرآن کی دیگر آیات میں بھی جہاں "کفر" کا صیغہ استعمال ہوا ہے مولانا وہاں غیر مسلموں کی تکفیر کی بجائے دیگر محتمل معانی مراد لیتے ہیں اور تکفیر کے معانی کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

1 ابن منظور افریقی، **لسان العرب** (دار الکتب العلمیہ: بیروت، 1432ھ)، 3 / 194

Ibn-e- Mnẓoor Afriq, *Lisān Alarb* (Beroot: dārālktb ālilmiya, 1432), 3/194.

2 البقرہ 89:2

Al –Baqra 89:2

3 ایضا

Al –Baqra 89:2

4 البقرہ 41:2

Al–Baqra 41:2

5 آل عمران 97:3

Aal- Imrān 97:3

6 حم السجدہ 7:41

HM Alsğda 7:41

7 ربانی، مبشر احمد، مسئلہ تکفیر اور اس کے اصول و مبادی (انٹرنیٹ ایڈیشن، 2016ء)، 158

Rabbāni, mubashir Aḥmd،*masla takfir āur us k Aṣol o mubādi*, (Internet edition, 2016),158

8 الکھف 38:18

Alkhaf 38:18

9 ربانی، مبشر احمد، مسئلہ تکفیر اور اس کے اصول و مبادی، 158

Rabbāni, mubashir Aḥmd،masla takfir āur us k Aṣol o mubādi,158

10 المائدہ 11:4

Al-Maida 11:4

11 ترمذیؒ، ابو عیسی محمد بن عیسی، جامع ترمذی (الریاض: دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، 1429ھ) 237/2

Tirmḏi, Abu Eisa Muhammad bin Eisa Tirmḏi, *Aljama Altirmidi*, (Alriad,lin-nasher wa altodi,1429), 2/237

12 وحید الدین خان، تذکیر القرآن (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، 2010ء)، 1992

Wḥid ud Din Khan, *Tadkir ul Quran*, (new Delhi: maktaba ālresāla,2009), 1992

[13] ایضاً۔

Wḥid ud Din Khan, Tadkir ul Quran, 1992

[14] وحید الدین خانؒ، دعوت اسلام (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، 2001ء)، 48

Wḥid ud Din Khan, *Dawat -e- Islam*, (new Delhi: maktaba ālresāla,2001), 48

[15] ایضاً۔

Wḥid ud Din Khan, *Dawat -e- Islam*, 48

[16] وحید الدین خان، امن عالم (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، 2004)، 156

Wḥid ud Din Khan, *Amn-e- Aalm*, (new Delhi: maktaba ālresāla, 2004), 156

[17] ابراہیم 12:14

Ibrahim 12:14

[18] وحید الدین خانؒ، حکمت اسلام (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، 2001)، 42

Wḥid ud Din Khan, *Hikmat -e- Islam*, (new Delhi: maktaba ālresāla, 2001) , 46

[19] وحید الدین خانؒ، **ڈائری** (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، 2008ء)، 109

Wḥid ud Din Khan, *Dairy*, (new Delhi: maktaba ālresāla, 2008) ,109

[20] ایضاً۔

Wḥid ud Din Khan, *Dairy*, 109

[21] وحید الدین خان، امن عالم، 156

Wḥid ud Din Khan, *Amn-e- Aalm*, 156

[22] وحید الدین خانؒ، دعوت الی اللہ (نیو دہلی: مکتبہ الرسالہ، 2001ء)، 37

Wḥid ud Din Khan, *Dawat ila Allah*, (new Delhi: maktaba ālresāla, 2001), 37

[23] الانعام 93:6

Al-Anām 93:6

[24] وحید الدین خان، تذکیر القرآن، 272

Wḥid ud Din Khan, *Tadkir ul Quran*, 272